روایاتِ تمدنِ قدیم

علی عبّاس جلالپوری

فہرست

1 پیش لفظ ________________

2 عِراق ________________

3 مِصر ________________

4 کَنعان ________________

5 بنی اِسرائیل ________________

6 یُونان ________________

7 اِیران ________________

8 ہِند ________________

9 چین ________________

پیش لفظ

علم الانسان کے طلبہ کہتے ہیں کہ ہر وہ کام جو بنی نوع انسان نے بہ حیثیت انسان ہونے کے سرانجام دیا ہے تہذیب یا کلچر کے ضمن میں آجاتا ہے۔ دوسری طرف ابن خلدون اور سپنگلر نے تمدّن کو شہری زندگی تک محدود کر دیا ہے۔ بعض اہلِ علم نے تہذیب اور تمدّن کے معانی میں تفریق کرتے ہوئے کہا ہے کہ تمدّن انسان کی خارجی ترقی کا نام ہے جب کہ تہذیب سے مُراد اُس کا داخلی یا ذہنی اِرتقار ہے۔ راقم الحروف اِس تفریق کا قائل نہیں ہے۔ اُس کے خیال میں جس طرح علمِ ذہن اور مادے کے باہمی عمل و ردِّعمل کی مربوط و بامعنی صُورت ہے اِسی طرح تمدّن بھی انسان کے خارجی ماحول اور اُس کے ذہن کے باہمی عمل و ردِّعمل ہی کی ایک تخلیقی شکل ہے چنانچہ اُس نے تمدّن کی ترکیب کو وسیع تر مفہوم میں استعمال کیا ہے یعنی اِس میں تہذیب بھی مشمول ہے۔

زرعی اِنقلاب کے ساتھ جب انسان نے فصلیں اُگانے کا راز دریافت کر لیا تو شکار کی تلاش میں مارے مارے پھرنے کے بجائے وہ دریاؤں کے کناروں پر کھیتی باڑی کرنے لگا، بستیاں بسا کر رہنے لگا اور خوراک فراہم کرنے کے بجائے خوراک پیدا کرنے لگا۔ اِس مرحلے پر وہ وحشت کے دَور سے نکل کر تمدّن کے دَور میں داخل ہو گیا۔ مُتمدّن زندگی کے آغاز پر کم و بیش دس ہزار برس گُزر چکے ہیں۔ یہ عرصہ آفاقی زمان و مکان کی بے پناہ وسعتوں اور پہنائیوں میں تبسّمِ شرار سے

زیادہ وقت نہیں رکھتا لیکن اسی فرصتِ قلیل میں انسان نے شاندار کارنامے انجام دیئے ہیں اور اُس کے قدم مردانہ وار آگے بڑھ رہے ہیں۔ اس ترقی کا راز شروع ہی سے اُس کی محنت و مشقت میں مخفی رہا ہے جس سے اُس کے ذہنی جوہر کو نشوونما پانے کی تحریک و تشویق ہوتی رہی ہے۔ اُس کی سوچ نے اُس کے ہاتھوں کو کام کرنے پر آمادہ کیا اور اُس کے کام نے اُس کے ذہن و دماغ کی جلا کا سامان بہم پہنچایا۔ مشکلات کا شعور اور ان کے حل کی کاوش —— یہی تمدن نوعِ انسان کے آغاز و ارتقاء کا مرکزی نقطہ ہے۔

قدیم تمدن کا مطالعہ بوجوہ ضروری ہے۔ اس سے ایک تو بنی نوعِ انسان کی فکری و ذوقی یکجہتی کا ثبوت ملتا ہے، دوسرے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ ایک ہی جیسے مسائل کو سلجھانے کے لئے اقوامِ عالم مختلف وسائل سے کام لیتی رہی ہیں، تیسرے یہ راز کھل کر سامنے آتا ہے کہ عالمی تمدن کی تشکیل میں تمام اقوام و ملل نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے اور ایک دوسرے سے استفادہ بھی کیا ہے، چوتھے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جدید دور کے مسائل کی تہ تک پہنچنے کے لئے بھی اُنکی جڑوں کا کھوج قدیم زمانوں تک لگانا ضروری ہے۔ کسی بھی مسئلے کا عالمی تمدن کے تناظر سے ہٹ کر مطالعہ کرنا گوناگوں مغالطوں کا باعث ہو سکتا ہے۔ 'روایاتِ تمدنِ قدیم' میں یہی تناظر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

جلال پور شریف
۷۔ اگست ۱۹۶۷ء

علی عباس جلالپوری

عِراق

جس ملک کو آج کل عراق کہتے ہیں اسے عہد نامہ قدیم میں "ارم نہرین" (دو دریاؤں کے درمیان کا ملک) کہا گیا ہے۔ یونانی زبان کے لفظ میسوپوٹیمیا کا معنیٰ بھی یہی ہے۔ عہد نامۂ قدیم کا باغِ عدن اِسی دوآبے میں لگایا گیا تھا۔

"اور خداوند خدا نے مشرق کی طرف عدن میں ایک باغ لگایا اور اِنسان کو جسے اُس نے بنایا تھا وہاں رکھا اور خداوند خدا نے ہر درخت کو جو دیکھنے میں خوشنما اور کھانے کے لیے اچھا تھا زمین سے اُگایا اور باغ کے بیچ میں حیات کا درخت اور نیک و بد کی پہچان کا درخت بھی لگایا اور عدن سے ایک دریا باغ کے سیراب کرنے کو نکلا اور وہاں سے چار ندیوں میں تقسیم ہوا۔ پہلی کا نام فیسون ہے جو حویلہ کی ساری زمین کو جہاں سونا ہوتا ہے گھیرے ہوئے ہے اور اُس زمین کا سونا چوکھا ہے اور وہاں موتی اور سنگ سلیمانی بھی ہیں اور دوسری کا نام جیحون ہے جو کوش کی ساری سرزمین کو گھیرے ہوئے ہے اور تیسری کا نام دجلہ ہے جو اسور کے مشرق کو جاتی ہے اور چوتھی کا نام فرات ہے۔"

عراق کا میدان اُس چکنی مٹی سے بنا ہے جو دریائے دجلہ و فرات اپنے ساتھ پہاڑوں سے بہا کر لاتے رہے ہیں۔ زرخیزی کے باعث اِس میدان کو ہلالِ زرخیز کا نام بھی دیا گیا ہے دریائے دجلہ آرمینیا کے پہاڑوں سے نکلتا ہے اور دریائے فرات کوہ طارس سے اپنا سفر شروع کرتا ہے۔ خلیج فارس میں گرنے سے پہلے دونوں دریا باہم مل جاتے ہیں۔ مقامِ اتصال سے آگے اِسے شط العرب کہا جاتا ہے۔ اس میدان کی زرخیزی کے باعث گرد و پیش کی صحرا نشین قومیں قدیم زمانے سے اِسے رشک اور حرص کی نگاہ سے دیکھتی رہی ہیں اور بار بار اِس پر حملہ آور ہوتی رہی ہیں۔ اِس دوآبے کے زیریں حصے کو بابی لونیا یا کالدیا کہتے تھے۔ سُمیریوں، اکادیوں، اشوریوں، ایرانیوں اور عربوں نے اپنے اپنے دورِ تسلط میں دجلہ و فرات کے کناروں پر بڑے بڑے بارونق شہر آباد کئے جن میں اُور، کش، بابل، نینوا، مدائن، بغداد اور بصرہ نے شہرت پائی۔

صدیٔ رواں کے اوائل تک مورخین کا خیال تھا کہ وادیٔ نیل تمدن نوعِ انسانی کا اولین گہوارہ ہے لیکن معاصرین کی اکثریت نے اِس رائے سے اتفاق کیا ہے کہ تمدن کی داغ بیل عراق میں ڈالی گئی تھی۔ اور اِس پہلو سے سُمیریوں کو شرف اولیت حاصل ہے۔ شروع شروع میں سُمیریوں کو اکادی کہا جاتا تھا لیکن فرانسیسی عالم ڑولے اور پرت نے انہیں سُمیری کا نام دیا اور یہی نام دُنیائے علم میں رواج پا گیا۔ سُمیریوں کے اصل و نسل کا راز ہنوز پردۂ خفا میں ہے۔ ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ کہاں سے آئے تھے۔ البتہ یقینی بات یہ ہے کہ وہ سامی الاصل نہیں تھے اور سامیوں سے بہت پہلے تمدن کے برکات سے رُوشناس ہو چکے تھے۔ یہ تمدن پانچ ہزار برس قبل از مسیح تک کا پرانا ہے۔

عراق کے میدانوں میں بارش کم ہوتی ہے اور سال کا بیشتر حصہ تیز دھوپ چمکتی ہے اس لیے کھیتی باڑی کے لیے آب پاشی نہایت ضروری ہے۔ سُمیریوں نے دریائے فرات پر بند باندھ کر نالیاں نکالیں اور تپتی ہوئی زمین کو لہلہاتے ہوئے سرسبز و شاداب کھیتوں میں بدل دیا۔

انھوں نے آب رسانی کا ایک باقاعدہ محکمہ قائم کیا۔ وہ اپنے کھیتوں میں جَو، زیتون، سَن اور انگور کی کاشت وسیع پیمانے پر کرتے تھے۔ خوراک کی فراوانی اور فراغت کے باعث سُمیریوں کو علوم و فنون کو ترقی دینے کے مواقع مِل گئے۔ رفتہ رفتہ اُن کی بستیاں بڑے بڑے شہروں کی صورت اختیار کر گئیں۔ ان میں اریدو، لگاش، اُور، لارسہ اور نپّور کی شہری ریاستیں تاریخ عالم میں مشہور ہیں۔

مرورِ زمانہ سے اُور کا شہر سب ریاستوں پر غالب آگیا۔ (۲۱۵۰ء ـــ ۲۰۵۰ء ق۔م) اور اس دوران میں سُمیری تمدن معراجِ کمال کو پہنچ گیا۔

سُمیریوں کے ہر شہر میں ایک حاکمِ اعلےٰ ہوتا تھا جو نظم و نسق کو بحال رکھتا تھا اُسے 'ان سی' کہتے تھے۔ سُمیریوں نے دنیا کے سب سے پہلے شہر تعمیر کیے۔ وہ اپنے مکان اینٹوں کے بناتے تھے جنھیں دھوپ میں سُکھا لیا جاتا تھا یا پزاوے میں پکایا جاتا تھا۔ اُن کے شہروں کی کھُدائی سے اِس بات کا انکشاف ہوا ہے کہ وہ مکان ایک دوسرے سے مِلا کر بناتے تھے۔ گلیاں تنگ ہوتیں، شہر کے گِرد فصیل تعمیر کرتے تھے جس کے باہر غریب مزدوروں کے جھونپڑے ہوتے تھے جو کہگل سے بنائے جاتے تھے۔ ہر شہر میں ایک سات منزلہ زغورط ـــ لغوی معنی مُقدّس پہاڑی ـــ تعمیر کرتے تھے۔ اِس منارے کی بالائی منزل پر دیوتا کا معبد ہوتا تھا۔ منارے کی بنیاد ایک بلند چبوترے پر رکھی جاتی تھی۔ معبد کے قریب پُجاریوں کے حُجرے ہوتے تھے اور ان سے متّصل سرکاری کارندوں، شراب کشید کرنے والوں، موچیوں، بافندوں اور گانے بجانے والوں کے مکان ہوتے تھے۔ معبد کے نواح میں اُن بھیڑ بکریوں کے باڑے بھی تھے جنھیں قُربانی کیلئے رکھا جاتا تھا۔ سُمیریوں نے بیل، بکری، بھیڑ اور کُتّے کو سدھا لیا تھا۔ انھوں نے ہل ایجاد کی اور پہیّہ بنایا جو لکڑی کا ایک بھدّا سا چکر ہوتا تھا اور جسے چھکڑوں میں لگاتے تھے۔ دریاؤں میں کشتیاں رواں دواں تھیں جنھیں رسّے باندھ کر کنارے سے کھینچتے تھے ان میں بادبان بھی لگائے جاتے تھے۔ جناب مسیح کی پیدائش سے تین ہزار برس قبل سُمیریوں نے کانسی کے ہتھیار اور اوزار بنانا شروع کر دیئے تھے۔ جو تانبے کے ہتھیاروں سے زیادہ مضبوط تھے۔

شہری صنعتوں کو ترقی ہوئی تو خشکی اور تری دونوں راستوں سے مختلف شہروں میں تجارت کا سلسلہ قائم ہوگیا۔ بعض آثار سے مفہوم ہوتا ہے کہ سُمیریا کے بحری جہاز وادیٔ سندھ میں بھی جاتے تھے۔ شمال کی طرف خشکی کی ایک راہ شام کو جاتی تھی اور دوسری بحیرۂ رُوم کے ساحلی علاقوں کی طرف گھُوم جاتی تھی۔

سُمیری مجسّمہ تراشی میں مہارت رکھتے تھے اُور کے قبرستان کی کھُدائی میں ۲۷۰۰ ق م کا ایک صندوق مِلا ہے جس میں بیلوں، شیروں اور گیدڑوں کے سیپ، چاندی اور سونے کے بنائے ہوئے خوش وضع مجسّمے دستیاب ہوئے ہیں۔ سُمیری ایک خاص فنِ تحریر کے موجد بھی ہیں۔ اُن کی رسمِ تحریر قدیم ترین سمجھی جاتی ہے۔ اِبتدا میں اُنہوں نے بھی دوسری اقوام کی طرح تصویر کشی کو اظہارِ خیال کا وسیلہ بنایا تھا لیکن بعد میں علامتیں اِستعمال کرنے لگے۔ وہ نوک دار قلم یا ناخن سے گلی الواح پر لکھتے تھے جنہیں دھوپ میں سُکھا کر یا آگ میں رکھ کر پکا لیا جاتا تھا۔ علمائے آثارِ قدیمہ نے اِس نوع کی ہزاروں گلی الواح سُمیریا کے کھنڈروں سے برآمد کی ہیں۔ ان میں سے بعض تین ہزار برس قبل از مسیح سے بھی پُرانی ہیں۔ سُمیری لکیروں اور میخوں کے نشانات سے جو اُن کی تحریری علامتیں تھیں لکھا کرتے تھے۔ اِنہیں میخوں کی رعایت سے اُن کے رسمِ تحریر کو خطِ میخی[1] کہا جاتا ہے۔

یہ رسمِ تحریر شروع سے آخر تک علامتوں ہی میں محصور رہی اور سُمیریوں نے فنیقیوں کی طرح حُروفِ ابجد مُرتّب نہیں کیے۔ اُن کے مدرسے معبدوں کے ساتھ ملحق ہوتے تھے جہاں پروہت بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھاتے تھے۔ خطِ میخی خاصا مشکل تھا۔ سب سے پہلے اُستاد تختی کی بائیں جانب لکھتا جسے بچّہ دائیں طرف نقل کرتا تھا۔ غلطی کو ہاتھ سے رگڑ کر مٹا دیتے

---

[1] انگریزی میں اسے CUNEIFORM کہتے ہیں جس کا مادہ لاطینی زبان کا لفظ CUNEUS (بمعنی میخ) ہے۔

تھے۔ طالب علم سب سے پہلے تین میخی علامتوں کی مشق کرتا تھا۔ افقی، عمودی اور خم دار یعنی ▷—، ▽ اور ٨، پھر انہیں ملا کر لکھتا جیسے ▷— ▽ ٧ جس کا تلفظ ہے "دِلم"۔ اِس قسم کے سیکڑوں مُرکبات حفظ کرنا پڑتے تھے اِس کے بعد مذہبی کتابیں نقل کرائی جاتی تھیں۔

بچوں کی تختیوں سے بعض اہم کتابوں کے ابواب نقل کئے ہوئے ملے ہیں۔ دائیں سے بائیں لکھنے کا رواج تھا۔ بعد میں بابلیوں نے بائیں سے دائیں لکھنا شروع کیا۔ طلبہ کو ریاضی کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ سُمیریوں کی گنتی ۱۰ کے ہندسے پر مبنی تھی جسے وہ ۶ سے ضرب دے کر اگلا ہندسہ بناتے تھے۔ پھر ۶۰ کو ۱۰ سے ضرب دیتے اور پھر ۶۰۰ کو ۶ سے ضرب دیتے تھے۔ ۶۰ کے ہندسے میں خوبی یہ ہے کہ اِسے ۳۰، ۱۵، ۱۲، ۱۰، ۵، ۴، ۳، ۲ پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ہم نے دائرے کو ۳۶۰ درجوں میں تقسیم کرنا سُمیریوں ہی سے سیکھا ہے اور درجن کا تصوّر بھی اُنہیں سے ماخوذ ہے۔ اِسی طرح دن رات کو گھنٹوں، دقیقوں اور ثانیوں میں تقسیم کرنا سُمیریوں سے لیا گیا ہے۔ سُمیریوں نے معیاری اوزان اور پیمانے بھی بنائے تھے۔ اُن کا وزن مِنا ساٹھ شیکل پر مشتمل تھا اور آج کل کے ½ سیر کے برابر تھا۔ ساٹھ مِنا مل کر ایک ٹیلنٹ بناتے تھے۔ بعد میں یہ اوزان بابلیوں کے واسطے سے مغربی ممالک یُونان وغیرہ میں رواج پا گئے۔ سُمیریوں کے یہاں سِکّوں کا رواج نہیں تھا۔ چاندی کے اوزان ہی سے سِکّوں کا کام بھی لیا جاتا تھا۔

سُمیریوں میں ذاتی املاک کے تحفّظ کا شدید احساس تھا۔ وہ اپنی تمام اشیاء حتّیٰ کہ ملبوسات اور جُوتوں کی فہرستیں بھی بناتے تھے۔ کاروباری معاملات میں دستاویز لکھنے کا رواج تھا۔ شہر کے بڑے دروازے پر کاتب بیٹھتے تھے جن سے دستاویزات لکھوائی جاتی تھیں۔ ان پر خریدار اور بیچنے والے اپنی اپنی مُہریں ثبت کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ میخی علامات میں ہر قسم کے علُوم و فنُون منتقل ہونے لگے۔ مذہبی احکام و روایات، تاریخ و سِیَر، فوجداری اور مال کے قوانین، نظمیں، داستانیں وغیرہ گِلی الواح میں محفوظ ہم تک پہنچی ہیں۔ بعد میں بابلیوں

اور اشوریوں نے میخی علامتوں کو اپنی اپنی زبانوں میں رواج دیا لیکن زمانے کے گزرنے کے ساتھ سُمیری تحریر مذہبی اور قانونی معاملات تک محدود ہو کر رہ گئی اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں فنیقیوں کے مُرتّب کیے ہوئے حرُوفِ تہجی رواج پا گئے۔ ڈنمارک کا ایک سیاحت دان نی بوہر میخی تحریر کی ایک نقل اپنے ساتھ یورپ لے گیا۔ ایک جرمن فاضل جارج فریڈرک گروٹ فنڈ نے ایک مُدّت کی کاوش کے بعد میخی تحریروں کو پڑھنے کا راز دریافت کر لیا۔ دُنیائے علم میں یہ کارنامہ ایک عظیم انکشاف کی حیثیت رکھتا ہے۔

سُمیری اپنے مکانوں میں ڈاٹ کا استعمال کرتے تھے۔ اُور کے معبد کی ایک ڈاٹ جو ۔۔۔ ق م میں بنائی گئی تھی، دریافت کی گئی ہے۔ بابل اور اشوّر کے واسطے سے یہ ڈاٹ ہر کہیں رواج پا گئی۔ اہلِ مغرب سکندر کے حملے کے ساتھ ڈاٹ کے استعمال سے رُوشناس ہوئے تھے۔ قوانین بھی پہلے پہل سُمیریوں نے مُرتّب و مدوّن کیے تھے۔ حمورابی کا ضابطۂ قوانین جو سُوسہ کے آثار سے برآمد ہوا ہے سُمیری الاصل ہے۔ سُمیریوں کا نظامِ معاشرہ مادری تھا جس میں عورت کو مرکزی حیثیت دی گئی تھی۔ بچے باپ کی بجائے ماں کے نام سے منسوب ہوتے تھے۔ مُلک بھر میں 'ننا' دیوی یا دھرتی مائی کی پُوجا کی جاتی تھی۔ اِس دیوی کا لقب 'مُقدّس پہاڑ کی ملکہ' تھا۔ سُمیریوں میں ثنویّت بھی پھیل گیا تھا جس کا اساسی عقیدہ یہ تھا کہ اِس دُنیا پر سعید اور شقی رُوحوں کا تصرّف ہے جنہیں سحر و افسوں سے قابو میں لایا جا سکتا ہے۔

سُمیریوں کے ہاں بڑے معبود تین تھے۔ انو آسمان کا دیوتا جو خداوند خدا تھا اور شہر اُور کا بڑا دیوتا تھا، اَن لِل فضا اور زمین کا دیوتا جو شہر نِپُوّر کا سرپرست تھا، ایا پانی کا دیوتا جو دانش و خرد کا پاسبان تھا۔ بعد میں شمش یا آفتاب دیوتا خداوند خدا بن گیا۔ ان کے علاوہ ہر شہر کے مخصوص دیوتا تھے جن کے معبدوں میں ہر روز بھیڑ بکریوں کی قُربانیاں دی جاتی تھیں۔ بعض اوقات انسانی قُربانی بھی دیتے تھے۔ وہ اپنے گھروں میں دیوتاؤں کے چھوٹے چھوٹے مجسمے بنا کر رکھتے اور صبح و شام ان کی پُوجا کرتے تھے۔

سُمیریا کی دیومالا کا مذاہبِ عالم پر گہرا اثر ہوا۔ اُن کا تکوین و تخلیق کا قصّہ یہ تھا کہ ابتداً میں دُنیا ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی صورت میں تھی جس میں ایک مادہ اژدہا تیامت نام کی رہتی تھی۔ رفتہ رفتہ دیوتا ظاہر ہوئے اور اُنھوں نے فسادؔ و انتشار کو رفع کرنا چاہا۔ تیامت مانع ہوئی اور اژدہاؤں کی فوج لے کر مقابلے پر ڈٹ گئی۔ دیوتا اَن لِل نے ہواؤں کو مدد کے لیے بلایا۔ جب تیامت ایک عظیم اژدہے کی صورت میں منہ کھولے آگے بڑھی تو اَن لِل نے ہواؤں سے اس کا پیٹ بھر دیا اور وہ اپنی جگہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ تب اَن لِل نے اس کے دو ٹکڑے کیے۔ ایک ٹکڑا نیچے پھیلا کر زمین کا فرش بچھایا اور دُوسرا اُوپر تان کر آسمان کا شامیانہ کھڑا کیا۔ دیوتاؤں نے تیامت کے خاوند اژدہے کو بھی قتل کر دیا اور اُس کے خُون میں مٹّی گوندھ کر آدم کا پُتلا بنایا۔

ایک قصّے میں عالمگیر سیلاب کا ذکر آیا ہے جس میں اُتناپشتم نے اپنی کشتی میں تمام حیوانات اور پرندوں کے جوڑوں کو پناہ دے کر سب کی جانیں بچائی تھیں۔ اِس کے ساتھ گِل گامش کا رزمیّہ ہے۔ گِل گامش شہر ارک سے شجرِ حیات کی تلاش میں نکلا اور ایک مدّت تک خطرات و مصائب کا سامنا کرنے کے بعد بالآخر اُس کی یافت میں کامیاب ہو گیا۔ معاً پانی سے ایک سانپ نکلا اور شجرِ حیات چُرا کر بھاگ گیا۔ اس رزمیّہ کا شمار دنیا کی قدیم ترین نظموں میں ہوتا ہے۔ گِل گامش کے رزمیّے میں عالمگیر سیلاب کا قصّہ بھی ملتا ہے جو اُتناپشتم کی زبانی بیان ہوا ہے۔

"بنی نوعِ انسان کا شور و غُل برداشت سے باہر ہو گیا ہے"[۲]

---

[۱] CHAOS

[۲] ترجمہ سید سبط حسن۔ اشور بنی پال کے کہنے پر اسی نظم کو سمیری زبان سے ترجمہ کیا گیا تھا۔

اور اُن کی بکواس کے باعث اب سونا محال ہے
پس دیوتاؤں کے دل میں سیلاب کا خیال آیا
لیکن میرے آقا ایا نے مجھے خواب میں خبردار کر دیا
اس نے دیوتاؤں کی باتیں چپکے سے میرے جھاؤ کے گھر کو بتا دیں
او شرّ دپاک کے انسان یوبار اتو تو کی اولاد !
اِس گھر کو ڈھا دے اور ایک کشتی بنا . . : .

تیرے جہاز کا ناپ یہ ہو
اُس کی شہتیر اِس کے طول کے برابر ہو
اُس کے عرشے کی چھت محرابی ہو
اُس قوس کی مانند جو عالمِ سفلی کو ڈھانپے ہوئے ہے
تب تمام جاندار مخلوق کے تخم کشتی میں رکھ لے . . . .
طلوعِ سحر کی پہلی تابانی کے ساتھ میرے گھر کے لوگ میرے گرد جمع ہوئے
بچے رال لے آئے اور مرد ضرورت کی دوسری چیزیں
پانچویں دن میں نے جہاز کا پیندا بنایا اور خمدار لکڑیاں جوڑیں
اور تب میں نے تختہ بچھایا
جہاز کی نچلی منزل کا رقبہ ایک ایکڑ تھا
اور بالائی عرشے پر ہر چہار جانب ساٹھ گز تھا
اُس کے نیچے میں نے چھ طبقے بنائے کُل سات
اور اُن کو میں نے نَو طبقوں میں تقسیم کر دیا
اور حسبِ ضرورت پچڑ بھی ڈالے
میں نے چپوؤں اور لمبے شہتیروں کا بندوبست بھی کر لیا

اُور ضرورت کی سب چیزیں فراہم کرلیں
بار بردار پیپوں میں تیل لے آئے
میں نے تار کول، ڈامر اور تیل کو بھٹی میں ڈالا
جہاز کی درزیں بند کرنے میں بہت سا تیل خرچ ہُوا . . . .
میں نے سونا چاندی، زندہ مخلوق، گھر کے لوگ عزیز رشتہ دار
مویشی، جنگلی اور پالتو جانور اور سب کاریگروں کو
جہاز میں بھر لیا . . . .
تب شام ہوئی اور طوفان کے راکب نے بارش شروع کی
میں نے باہر جھانک کے دیکھا تو موسم نہایت خطرناک تھا
پس میں بھی جہاز میں سوار ہوگیا اور دروازے کو بند کرلیا
اب سارا انتظام مکمل تھا۔ دروازہ بند کر دیا گیا تھا . . . .
طوفان سارا دن شور مچاتا رہا
اور اُس کی برہمی ہر لمحہ بڑھتی رہی
طوفان کے تھپیڑے فوجی حملوں کی مانند لگتے رہے
بھائی اپنے بھائی کو نہ دیکھ سکتا تھا
اور زمین کے رہنے والے آسمان سے بھی نظر نہ آتے تھے
یہاں تک کہ سیلاب نے دیوتاؤں کو بھی دہشت زدہ کر دیا . . .
چھ دن اور چھ رات آندھی چلتی رہی
بارش، طوفان اور سیلاب نے دُنیا پر غلبہ پالیا
ساتواں دِن طلوع ہوا تو جنوبی طوفان ختم گیا
سمندر پُرسکون ہوگیا اور سیلاب رُک گیا

میں نے رُو نے زمین پر نگاہ دوڑائی تو وہاں کامل سکوت تھا اور انسان مٹی کے ڈھیر بن گئے تھے۔ . . .

اکیس کوس کے فاصلے پر مجھے ایک پہاڑ نظر آیا اور میری کشتی وہاں جا لگی

میری کشتی کوہ نصیر پر رُک گئی اور پھر ہلائے نہ ہلی . . . .

پانچواں دن طلوع ہوا تو میں نے ایک فاختہ کو آزاد کیا

وہ اُڑ گئی مگر اُسے بیٹھنے کے لئے کوئی خشک جگہ نہ ملی اور وہ واپس آگئی

تب میں نے ایک ابابیل کو آزاد کیا

وہ اڑ گئی مگر بیٹھنے کے لیے کوئی خشک جگہ نہ پاکر واپس آگئی

تب میں نے ایک کوّے کو آزاد کیا

اُس نے دیکھا کہ پانی پیچھے ہٹ گیا ہے

پس اُس نے اپنا پیٹ بھرا، اِدھر اُدھر اُڑتا اور کاؤں کاؤں کرتا رہا مگر واپس نہ آیا

تب میں نے جہاز کے دروازے اور کھڑکیاں کھول دیں

میں نے قربانی کی اور پہاڑ کی چوٹی پر شراب لنڈھائی

میں نے سات دیگچے چولہے پر رکھے

اور لکڑی، بید، دیودار اور حِنا کا انبار لگایا

اُن کی خوشبو دیوتاؤں تک پہنچی

تو وہ مکھیوں کی طرح چڑھاوے کے گرد جمع ہو گئے"

۔ عہد نامۂ قدیم میں طوفانِ نوحؑ کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے

"اور خُدا نے نوحؑ سے کہا کہ تمام بشر کا خاتمہ میرے سامنے آ پہنچا ہے کیونکہ اُن کے سبب سے زمین ظلم سے بھر گئی، سو دیکھ میں زمین سمیت اُن کو ہلاک کروں گا۔ تو گوپھر کی لکڑی کی ایک کشتی اپنے لیے بنا۔ اِس کشتی میں کوٹھڑیاں تیار

کرنا اور اس کے اندر اور باہر رال لگانا۔ . . . تو اور تیرے ساتھ تیرے بیٹے اور تیری بیوی اور تیرے بیٹوں کی بیویاں اور جانور کی ہر قسم میں سے دو دو اپنے ساتھ کشتی میں لے لینا کہ وہ تیرے ساتھ جیتے بچیں . . . .

سات دن کے بعد زمین پر چالیس دن اور چالیس رات پانی برساؤں گا اور ہر جاندار شے کو جسے میں نے بنایا زمین پر سے مٹا ڈالوں گا . . . سمندر کے سب سوتے پھوٹ نکلے اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گیئں اور چالیس دن اور چالیس رات زمین پر بارش ہوتی رہی . . . . کشتی اراراط کے پہاڑوں پر ٹک گئی اور پانی دسویں مہینے تک برابر گھٹتا رہا اور دسویں مہینے کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آیئں اور چالیس دن کے بعد یوں ہوا کہ نوحؑ نے کشتی کی کھڑکی جو اُس نے بنائی تھی کھولی اور اُس نے ایک کوّے کو اڑایا سو وہ نکلا اور جب تک زمین پر سے پانی سوکھ نہ گیا اِدھر اُدھر پھرتا رہا۔ پھر اُس نے ایک کبوتری اپنے پاس سے اڑا دی تاکہ دیکھے کہ پانی زمین پر گھٹا یا نہیں پر کبوتری نے پنجے ٹیکنے کی جگہ نہ پائی اور اُس کے پاس کشتی کو لوٹ آئی۔ کیونکہ تمام روئے زمین پر پانی تھا تب اُس نے ہاتھ بڑھا کر اُسے لے لیا اور اپنے پاس کشتی میں رکھا اور سات دن ٹھہر کر اُس نے کبوتری کو پھر کشتی سے اڑایا اور وہ کبوتری شام کے وقت اُس کے پاس لوٹ آئی اور دیکھا تو زیتون کی ایک تازہ پتی اُس کی چونچ میں تھی۔ تب نوحؑ نے معلوم کیا کہ پانی زمین پر سے کم ہو گیا ہے . . . . تب نوحؑ نے خداوند کے لیے ایک مذبح بنایا اور سب پاک چوپایوں اور پاک پرندوں میں سے تھوڑے سے لے کر اُس مذبح پر سوختنی قربانیاں چڑھایئں اور خداوند نے ان کی راحت انگیز خوشبو لی۔"

عہد نامہ قدیم کا یہ بیان ظاہراً سُمیری قصے سے ماخوذ ہے۔ لیونارڈ وولے جس نے

شہر اُور کی کھدائی کی تھی اِس نتیجے پر پہنچا تھا کہ گل گامش کے رزمیہ کا سیلاب اور طوفانِ نوحؑ واحد الاصل ہیں۔ ہندوؤں کا سیلاب کا قصہ بھی بابل کے واسطے سے سمیریا ہی سے اخذ کیا گیا تھا۔ اس کا ذکر تمدنِ ہند کے ضمن میں آئے گا۔

سمیریوں کے شہر اروک میں دیوی اننی کی پوجا کی جاتی تھی جو سامیوں کے ہاں دیوی عشتار کے روپ میں نمودار ہوئی۔ یونانیوں کی حسن و عشق اور توالد و تناسل کی دیوی افرودائتی بھی اِسی کی مثیل ہے۔ سمیری چاند دیوی کو 'ننا' کہتے تھے۔ اِس کے سر پر ہلال کا نشان تھا جو بعد میں آئسس اور لیلا کی تصاویر اور بعض اقوام کے پرچموں میں نمودار ہوا۔ سمیریوں کا عقیدہ تھا کہ ہر شے ذی روح ہے۔ روح موت کے بعد زندہ رہتی ہے، اس لئے وہ اپنے مُردوں کے ساتھ ہتھیار اور دوسرا ساز و سامان بھی دفن کرتے تھے۔ ان کے ہاں تموز دیوتا زرخیزی اور بار آوری کی علامت تھا اور عشتار کا بدنصیب عاشق تھا۔ یونانی دیو مالا میں وہ اڈونس بن گیا۔

سمیریا کے مختلف شہروں کے حکمران ہمیشہ آپس میں برسرِ پیکار رہتے تھے ۲۳۰۰ ق۔م کے قریب سامی النسل بادشاہ سارگن نے سمیریا پر حملہ کیا اور یکے بعد دیگرے سارے شہر فتح کر لئے۔ اُس کی پیدائش کی کہانی کو روشن کبیر، کرشن، رومولس اور جنابِ موسیٰ کے احوال سے ملتی جلتی ہے یعنی اُس کی ماں نے پیدا ہوتے ہی اُسے ٹوکری میں رکھ کر دریا میں بہا دیا تھا جہاں ایک ملاح نے ترس کھا کر اُسے نکالا اور اُس کی پرورش کی۔ سارگن نے ایک شاندار سلطنت کی بنیاد رکھی جسے اموری شہنشاہی کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ اس خانوادے کا سب سے شاندار حکمران حمورابی تھا جس نے شہر بابل تعمیر کرایا جو رفتہ رفتہ تمام زیریں عراق کا دارالسلطنت بن گیا۔ تاریخی اور لسانی پہلوؤں سے بابل کی یہ شہنشاہی سمیریوں اور سامیوں کے اتحاد کا ثمرہ تھی۔ ابتدا میں اموری اجڈ اور خانہ بدوش تھے۔ سمیریا کے متمدن لوگوں میں مِل جُل کر رہنے سے وہ تمدن کے برکات سے روشناس ہوئے اور محکوموں سے قوانین، فنون و علوم، طرزِ تحریر یہاں تک

صنعت و حرفت وغیرہ کے اصول و مبادی سیکھے اور بعد میں ان میں بیش بہا اضافے بھی کیے۔ اِس طرح تمدّن کا جو بیج سمیریوں نے بویا تھا وہ بابل اور اشور میں پھل پھول کر ایک تناور درخت بن گیا۔

شاہ حمورابی نے شہر بابل کو تہذیب و تمدّن، صنائع بدائع، فنونِ لطیفہ اور تجارت کا سب سے بڑا مرکز بنا دیا۔ اُس نے عظیم الشان معبد تعمیر کرائے جن کے برجوں میں بیٹھ کر کاہن مطالعۂ افلاک اور پروہت سمیریوں کے مذہبی نوشتے نقل کیا کرتے تھے۔ حمورابی کا سب سے بڑا کارنامہ اُس کا ضابطۂ قوانین ہے جو دراصل شاہ اورنگر سمیری کے اکانوع کے ضابطے پر مبنی تھا۔ اس کا اصل اصول ہے "دانت کے بدلے دانت، آنکھ کے بدلے آنکھ" البتہ حمورابی کی تعزیرات سمیریوں سے زیادہ سخت ہیں۔ مثلاً سمیری قانون اجازت دیتا ہے کہ زانیہ کا خاوند دوسری شادی کرلے اور زانیہ دوسری بیوی کی کنیز بن کر رہے۔ حمورابی نے اُس کے لئے موت کی سزا رکھی ہے جس کا طریقہ یہ تھا کہ زانیہ کو دریائے فرات کی منجدھار میں پھینک دیتے تھے۔ وہ بچ نکلتی تو بے گناہ سمجھی جاتی تھی۔ زنا بالجبر، اغوا، قزاقی، چوری، محرمات سے زنا، بھگوڑے غلاموں کو پناہ دینے اور میدان جنگ میں بزدلی دکھانے کی سزا موت تھی۔ وہ طبیب جس کے علاج سے کسی شخص کی آنکھ ضائع ہو جاتی مجرم سمجھا جاتا تھا اور اُس کے ہاتھ کی انگلیاں کاٹ دی جاتی تھیں۔ ڈاکو کو موت کی سزا دی جاتی تھی۔ اگر ڈاکو پکڑے نہ جا سکتے تو جس شخص کا مال لُوٹا جاتا وہ دیوتا کے سامنے اپنے سامانِ مسروقہ کی فہرست بنا کر رکھ دیتا اور شہر یا علاقے کے حاکم کو اس نقصان کی تلافی کرنا پڑتی تھی۔ مقدمہ بازوں کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے تھے۔ ضابطۂ حمورابی کا پہلا قانون ہے "اگر کوئی شخص کسی پر جرم کے اِرتکاب کا الزام لگائے لیکن اُسے ثابت نہ کر سکے تو الزام لگانے والے کو جان سے مار دیا جائے گا"۔ اِس ضابطے میں دو سو پچاسی قوانین ہیں جنہیں ذاتی املاک، تجارت، کاروبار، خاندان، محنت کشی وغیرہ عنوانات کے تحت مُرتّب کیا گیا ہے۔ اِن قوانین کی رُو سے فرد کی جگہ ریاست کو اِنتقام کا حق

دیا گیا ہے۔ قانون کی تاریخ میں یہ ایک انقلاب آفریں اقدام تھا۔ بحیثیتِ مجموعی اِسے عہدِ قدیم کا جامع ترین ضابطۂ قوانین سمجھا جاسکتا ہے۔ حمورابی کا دعویٰ تھا کہ یہ ضابطہ اُسے خداوند خدا نے خود عطا کیا تھا۔ چنانچہ ایک نقش میں حمورابی کو دیوتا سے یہ ضابطہ لیتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ اِس ضابطے کا اصل منشا بے شک ذاتی املاک کا تحفظ ہے لیکن اِس میں زیر دستوں اور کمزوروں کے حقوق کی پاسبانی بھی کی گئی ہے۔

حمورابی ضابطے کے دیباچے میں کہتا ہے

"اِس وقت دیوتاؤں نے اپنے اِس خدمت گار حمورابی کو پکارا، جو نیکوکار تھا، محتاجوں کی مدد کرتا تھا جس نے ملک کو خوشحالی بخشی، جس نے طاقت وروں کو کمزوروں پر ظلم کرنے سے روکا۔ دیوتاؤں نے اُسے پکارا کہ عوام کی بہبود میں اضافہ کرے۔"

آغازِ تمدن ہی سے سلاطین اور روسا، غلاموں اور زیر دستوں پر تشدد کرنا اپنا پیدائشی حق سمجھتے رہے ہیں۔ حمورابی کی روشن خیالی اور بیدار مغزی اُس کی عظمت پر دلالت کرتی ہے۔ مغربی علماء کے خیال میں یہودیوں کی شریعت کے احکامِ عشرہ[1] اِسی ضابطے سے ماخوذ ہیں۔ اشوریوں نے ۱۰۰۰ ق۔م کے لگ بھگ بابل کو فتح کرکے اپنی سلطنت قائم کی۔ اِس تاخت و تاراج میں بابل کا شہر پیوندِ زمین ہوگیا۔ اشوری بھی بابلیوں کی طرح سامی النسل تھے اور اُن کی زبان بابلی زبان کے مشابہ تھی۔ انہوں نے اشور اور نینوا کے شہر بسائے۔ اُن کے قومی دیوتا کا نام اشور تھا جو جنگ وجدال کا دیوتا تھا۔ اس کی پرستش معبودِ واحد سمجھ کر کی جاتی تھی۔ اشوریوں نے حطیوں سے لوہا ڈھالنے کا استعمال سیکھا اور اس کے ہتھیار بنانے لگے۔ انہوں نے گھڑسواروں کے رسالے مرتب کیے جن سے اُن کی جنگی طاقت میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔ وہ طبعاً جنگجو تھے اور ہر وقت خونریزی پر کمربستہ رہتے تھے۔ معاصر اقوام پر اُن کی طاقت اور شجاعت

---

[1] TEN COMMANDMENTS